ڈاکٹر عامر سہیل
صدرِ شعبۂ اُردو
ایبٹ آباد پبلک سکول اینڈ کالج، ایبٹ آباد

اُسلوب اور اُسلوبیات: بنیادی تصورات

Style and stylistics are two different terms that are considered synonymous. In this article, I tried my level best to clear that the first one deals with literary criticism while the second is used for linguistic analysis. Literary genres are cited as examples in both cases. This is a new discipline in Urdu but now the writers are paying more attention to it. In my current article, a clear historical perspective emerged which may create some new discussions in literature. Stylistics has also introduced a new kind of critique, which we call stylistic critique. I also discussed some related points in my article.

(الف) اُسلوب کا روایتی مفہوم

اُردو زبان و ادب میں اُسلوب کے مباحث نئے نہیں ہیں۔ قدیم کلاسیکی عہد سے لے کر موجودہ زمانے تک اس پر کسی نہ کسی حوالے سے اظہارِ خیال ہوتا رہا ہے۔ البتہ دورِ جدید میں تنقید کا فن نئے جہات سامنے لانے کا سبب بھی بنتا رہا جس نے ادب پاروں کی جانچ پرکھ میں خاصی وسعت پیدا کر دی ہے جو کئی اعتبار سے ایک نیک شگون ہے۔ اُسلوب اور اُسلوبیات کی اگر بات کی جائے تو معدودے چند لکھاریوں کو چھوڑ کر ابھی ان دنوں اصطلاحات میں فرق کرنے کا رواج عام نہیں ہوا، جس کی وجہ سے عموماً طلبہ کو دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ البتہ ماضی میں اُسلوب کی اصطلاح رائج نہ ہونے کی وجہ سے اس کے متبادل الفاظ مثلاً طرز، ادا، سلیقہ، اندازِ بیاں، ڈھب، روش اور حسنِ بیاں مستعمل رہے ہیں۔ عربی اور فارسی میں اُسلوب کو ''سبک'' جبکہ ہندی میں ''شیلی'' کہا جاتا ہے۔ اُردو میں اُسلوب کا لفظ بیسویں صدی کے چھٹے عشرے میں بطور ایک ادبی اصطلاح متعارف ہوا جسے انگریزی لفظ ''Style'' کے ہم معنی سمجھا گیا تھا پھر رفتہ رفتہ یہ لفظ اپنی لغوی حدود سے باہر نکل کر اصطلاحی زمرے میں داخل ہو گیا۔ اسلوب کی کوئی ایسی جامع و مانع تعریف سامنے نہیں آئی جو تمام علمی حلقوں کے لیے قابل قبول ہوتا ہم جو بنیادی اور عبوری تعریفیں موجود ہیں وہ اُسلوب کی بنیادی صفات کی جانب سمت نمائی ضرور کرتی ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

''اُسلوب کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ مغربی تنقید میں یہ لفظ صدیوں سے رائج ہے۔ اُردو میں اُسلوب کا تصور

نسبتاً نیا ہے، تاہم زبان و بیان، انداز، طرز بیان، لہجہ، رنگ، رنگِ سخن وغیرہ اصطلاحیں اُسلوب یا اس ملتے جلتے معنی میں استعمال کی جاتی رہی ہیں، یعنی کسی بھی شاعر یا مصنف کے اندازِ بیان کے خصائص کیا ہیں، یا کسی صنف یا ہیئت میں کس طرح کی زبان استعمالہوتی ہے یا کسی عہد میں زبان کیسی تھی ور اس کے خصائص کیا تھے، یہ سب اُسلوب کے مباحث ہیں۔ادب کی کوئی پہچان اُسلوب کے بغیر مکمل نہیں۔''۱

یہ تعریف اسلوب کے بیشتر معروف پہلوؤں کی جامع ہے جس کی روشنی میں ایک طرف تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلوب کوئی جامد شئے نہیں دوسری طرف تخلیق کار کی شخصیت اس کے ماحول اور تہذیبی و ثقافتی عناصر کو بھی نشان زد کرتی ہے۔ اُسلوب میں تناسب و توازن، وحدتِ فکر، روانی، برجستگی اور الفاظ و تراکیب کی نشست و بر خاست معین اُصولوں کے تحت ہوتی ہے۔سیّد عابد علی عابد نے اپنی تصنیف " اُسلوب" میں ادبی اُسلوب کی صفات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے بڑے گہرے علمی نکات پیدا کیے ہیں۔اُن کے نزدیک معیاری اُسلوب تخیلی، جمالیاتی اور جذباتی حوالوں سے قاری پر اثر انداز ہوتا ہے۔تخیل کے ضمن میں تجسیم، مجاز و تشبیہ، خیال افروزی اور استعارہ اپنا جادو جگاتا ہے۔ جمالیات کے تحت ترنم، اضافت اور نغمہ حاوی ہوتے ہیں۔جذبات کے عناصر ترکیبی میں زورِ بیان، گداز، مزاح اور بذلہ سنجی کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے انفرادیت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے:

''اُسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کی وہ انفرادی طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے متمیز ہو جاتا ہے۔۔۔انفرادیت عجائب وغرائبِ ادبیات میں شامل نہیں ہونی چاہیئے ورنہ انفرادیت انداز تو مسلم ہو جائے گا لیکن ذوقِ سلیم ایسے انداز یا اُسلوب کو اچھا نہ کہے گا۔''(۲)

سیّد عابد علی عابد نے دیمتریس کے حوالے سے اُسلوب کی چار اقسام گنوائی ہیں۔ان میں سادہ، شاہانہ، مرصع اور حاملِ زور کلام شامل ہے اور اُسلوب کی تعریفی حدود کو ایک بار پھر اس طرح واضح کیا ہے۔

''اُسلوب دراصل فکر و معانی اور ہیئت وصورت یا مافیہ و پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔''(۳)

ادبی اُسلوب تخلیق کے باطن میں اُتر کر اپنا اظہار کرتا ہے۔اس میں فکر وفن کے جملہ خصائص کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہوتے ہیں اور تخلیق کی فکری اور جمالیاتی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہر مصنف کا ایک اپنا مخصوص اُسلوب ہوتا ہے جو اپنی ارفع صورت میں اُس کی پہچان بن سکتا ہے۔ ہر اُسلوب کسی حد تک اپنے عہد کا ترجمان بھی ہوتا ہے کیوں کہ اُس میں اپنے عہد کا تازہ پن، جدت اور تازگی سرایت کر جاتی ہے۔ملا وجہی کا اُسلوب میر امن دہلوی سے اور فسانہء آزاد کا اُسلوب غبارِ خاطر سے اسی لیے مختلف ہے کہ اس میں شخصی افتراق کے ساتھ ساتھ عہد کا افتراق بھی شامل ہے۔حالی اور سرسید کی تحریریں پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں کس قسم کے رجحانات اور میلانات رائج تھے۔اُسلوب کی بحث میں جہاں خارجی امور کا ذکر ناگزیر ہے وہاں اُسلوب کے داخلی محرکات بھی لائق توجہ ہیں۔اس

حوالے سے شخصیت اور نفسیات کے مباحث کا دائرہ کافی پھیلا ہوا ہے۔ ہر ادیب اپنے عہد کا زائیدہ ہوتا ہے اور اُس کے مزاج اور لہجے پر ماحول کے گہرے اثرات مرتسم ہوتے ہیں۔ مجلسی زندگی ہو یا گوشہء تنہائی ان کے اثرات شخصیت پر پڑتے رہتے ہیں جو بعد ازاں اُسلوب کا لازمہ بن جاتے ہیں۔ میر تقی میر اور حسرت موہانی کی شاعری میں فکر و نظر کا جو گہرا تفاوت نظر آتا ہے اُس میں اُسلوب کا عمل دخل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دونوں شعرا کے ہاں فکر و نظر اور برتاو کا باہمی فرق اصل میں اسالیب کا وہی بنیادی فرق ہے جس کے ڈانڈے شخصی میلانات اور سماجی اثرات کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اُسلوب کے روایتی تصوارت کے حوالے سے جو بیانیے سامنے آتے ہیں اُن میں اُسلوب اور سماج کو اس حد تک یکجا کر دیا گیا ہے کہ پروفیسر آل احمد سرور جیسا بالغ نظر نقاد بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

> ''اچھا اسٹائل وہ نہیں ہے جس میں کسی شخص کے من کی موج زیادہ نمایاں ہو، بلکہ وہ جس میں اُس کے عہد کی روح اور اُس روح کے امکانات کی زیادہ سمائی ہو۔ سرسید کا اسٹائل اسی لیے اپنے ہم عصروں کے اسٹائل سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور موجودہ دور کا اسٹائل سرسید سے زیادہ ترقی یافتہ۔ شخصیت کی بلند آہنگی اچھے اسٹائل کی مدھم موسیقی کے لیے مضر ہے۔''۴

اُسلوب کے لیے اس طرح کی شرائط عاید کرنا کچھ مناسب رویہ نہیں ہے کیوں کہ اُسلوب کسی سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت وجود میں نہیں آتا بلکہ یہ تو ایک فطری بہاؤ ہے اور اکثر و بیش تر تخلیق کاروں کو اپنے اُسلوب کے بارے میں کسی قسم کا شعوری احساس نہیں ہوتا۔ اُسلوب ایک تخلیق کار کی شخصیت میں اس طرح رچا بسا ہوتا ہے کہ اس کی فکر، تخیل، تصور، مشاہدہ، ریاضت، ماحول اور کیف انگیزی یکجا ہو کر اُسلوب کو جنم دیتے ہیں۔ ان سب عناصر کو منطقی حوالے سے الگ الگ کر کے دیکھا اور دکھایا نہیں جا سکتا اور نہ اس میں کسی کو شریک کیا جا سکتا ہے۔ اُسلوب کی نوعیت اور شدت میں بے اختیاری اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اُسلوب میں تعمیری اظہار اور تخلیقی اظہار کو مرکزیت حاصل ہے۔ یہ اظہارات کہیں سادگی، سہل ممتنع اور برجستگی سے اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں اور کہیں لطافت، نزاکت اور تخیل کی مدد سے صنعت گری دکھاتے ہیں۔ محبّ عارفی کا ایک بیان کردہ نکتہ اس بحث کی مزید پرتیں کھولتا ہے:

> ''ہر شخص ایک منفرد شخصیت، اثر پذیری کے ایک منفرد نہج کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ ایک ہی نوعیت اور شدت کے مہیج، ہر شخص کے دل میں ایک ہی نوعیت و شدت کا تخلیق انگیز ہیجان پیدا نہیں کر سکتے۔ آپ کا ذہنی ہیجان اور اس کا پیدا کردہ تخلیقی اضطراب دونوں لازماً آپ کی شخصیت کے منفرد ڈھانچیمیں ڈھلے ہوئے ہوں گے''۵

اُسلوب میں پائی جانے والی انفرادیت اور تاثیر کے پس منظر میں یہی مہیج اور جذبہ روپ بدل بدل کر قاری کو اپنی جانب متوجہ رکھتا ہے۔ کامیاب اُسلوب وہی سمجھا جاتا ہے جو پڑھنے والوں پر اپنے گہرے نقوش ثبت کر جائے۔ ہر تخلیق

کار اپنے ماحول اور اُفتادِ طبع کا اسیر ہوتا ہے اسی لیے اُس کا اُسلوب ہر طرح کے اثرات قبول کرتا جاتا ہے۔اُردو ادب میں ایسے کئی تخلیق کار موجود ہیں جو اپنی حلاوت اور شعریت سے قاری کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ان کے ہاں تخیل پسندی کے ساتھ ساتھ ملائمت اور رومانیت کے عناصر آمیز ہو کر ایسا تاثر پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔انسانی شخصیت کی طرح اسالیب بھی ارتقائی عمل کے پابند ہوتے ہیں۔ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش لکھتے ہیں:

''اُسلوب ایک ارتقائی عمل سے عبارت ہے، جیسے جیسے تجربات، مشاہدات اور مطالعے میں اضافہ ہوتا ہے اُسلوب میں بھی اسی نسبت سے گہرائی، نکھار اور جامعیت در آتی ہے، بلکہ ایک لحاظ سے اسلوب کا ارتقائی سفر، سفرِ حیات سے مماثل ہے۔مثلاً بچپن سے منسلک اسلوب میں الفاظ کے طوطا مینا بنانے کا رویہ توانا ملے گا۔عہدِ شباب سے عبارت اسلوب میں جذباتیت، خطابت، رومانی شوریدہ سری اور شوخ و شنگ لفظوں سے چمٹنے لپٹنے کا رجحان نمایاں ہو گا۔ادھیڑ سے مشابہ اسلوب میں پختگی، منطقیت اور قدرے تفصیل و وضاحت کا چلن چھایا دکھائی دیگا۔جب کہ عہد پیری کے اسلوب میں اختصار و اجمال، سلاست و روانی اور سہلِ ممتنع یعنی بھاری بھرکم لفظوں سیجان چھڑانے کے انداز کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔''۶

انسانی شخصیت کے ساتھ اُسلوبی ارتقا کا یہ عمل نفسیات، سماجیات اور انسانیات کے زیرِ اثر اپنے تمام مدارج طے کرتا ہے۔سماج کا کون سا واقعہ یا نفسیات کا کون سا پہلو کس وقت اُسلوب پر اثر انداز ہوتا ہے اس کا کھوج لگانا از حد مشکل ہے۔انسانی رویوں میں تغیر و تبدل کے جملہ عناصر اُسلوبِ نگارش کو چھونے کی کوشش کرتے ہیں۔حقیقی دنیا کے سنگین مسائل اور مثالیت پسندی اسلوب کی ارضیت کو مستحکم کرنے کے بڑے اہم ذرائع ہیں اور کم و بیش ہر تخلیق کار کو ان تجربات سے گزر کر آگے نکلنا ہوتا ہے۔یہ کہنا بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اُسلوب میں پیدا ہونے والی تہہ داری، تاثیر، برجستگی، ارفعیت، ذو معنویت، دردمندی، تاثیر اور تخلیقی حسن ارتقائی عمل سے نکلنے کے بعد ایک کُل کی شکل میں اُسلوب پذیر ہوتے ہیں۔ن م راشد بھی اُسلوب کو ایک نامیاتی شئے تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اُسلوب بیان ایک ہلتا جلتا، نشوونما پاتا ہوا جسم ہے۔اس کی مثال نہ تو اُس پوشاک کی ہے جو ہم پہنتے ہیں۔نہ ہماری رفتار و گفتار کی۔بلکہ یہ خود گوشت اور خون کا بنا ہوا جسم ہے۔جس کے اندر ادیب کے ادراکات، احساسات اور خیالات دھڑکتے ہیں۔زبان کی صفائی اور درستی، اُسلوب بیان کی ناگزیر اور لازمی خصوصیات نہیں بلکہ اتفاقی صفات ہیں۔یا زیادہ سے زیادہ برے اُسلوب بیان سے بچنے کے ذرائع''۷

اب تک ہونے والی اس بحث میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اُسلوب سے مراد وہ تمام ادبی خصوصیات ہیں جو

متن میں کسی نہ کسی صورت موجود رہتی ہیں اور جن کی حیثیت اقداری اور جمالیاتی ہوسکتی ہے۔اُسلوب ایک ذوقی اور وجدانی شئے ہے اور اس کی جمالیاتی حقیقت کا دارومدار بھی امتزاجی یا ترکیبی وحدت پر ہے۔جو تخلیق کار جتنا زیادہ عقلِ سلیم کا مالک ہوگا اور اُس کی زبان اور لفظیات پر گرفت جتنی مضبوط ہوگی اُس کا اُسلوب بھی اسی قدر متاثر کن ہوگا۔ بڑا فنکار ہمیشہ اپنے اُسلوب سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔اُسلوب میں جس طرح خلوص اور فصاحت و بلاغت کی موجودگی اسے وقیع بناتی ہے اُسی طرح ثقالت و تنافر سے بچنا بھی ضروری ہے۔جو فن پارہ اعلیٰ مضامین اور ابلاغ کے تمام بنیادی تقاضوں کو پورا کرتا ہے وہ قاری کے دل میں گھر بھی کرتا ہے۔ڈاکٹر رابعہ سرفراز نے اُسلوب کے تجزیاتی مطالعات پیش کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

''کسی ادبی شخصیت اور مقرر یا ادبی گروہ یا دور کا اپنا منفرد طریقِ اظہار،مصنف کا تخلیقی ضابطہ جس میں توضیح، قوت، تاثیر اور حسن وغیرہ کے اجزا موجود ہوں اُسلوب کہلاتا ہے۔۔۔اُسلوب میں فنی خصوصیات اور قوتِ اظہار پہ توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔زبان کی عمومی سطح سے اجتناب یا گریز اُسلوب ہے۔۔۔کسی ادبی تخلیق کی وہ خصوصیت جس کا تعلق خیال یا موضوع کی مناسبت،صورت یا اظہار سے ہوتا ہے۔۔۔انفرادی خصوصیت،موضوع کے اظہار کا طریقِ اور اثر پذیری''۸

اچھے اور معیاری اُسلوب کی ایک پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اظہار میں سہولت پیدا کرتا ہے۔یہ ملکہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب تخلیق کار کو الفاظ کے چناؤ اور بناؤ پر ممکنہ قدرت نصیب ہو جائے۔کسی تخلیق کار کا لسانی انتخاب اُسلوب کے تمام تشکیلی مراحل میں اپنے اثرات دکھاتا چلا جاتا ہے۔اگرچہ اُسلوب کے تمام روایتی مباحث میں شخصی حوالے اہم ہوتے ہیں لیکن پھر بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ اسے مزید نئے نئے زاویوں سے بھی سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔اس خصوص میں ڈاکٹر رابعہ سرفراز نے اُسلوب کے ساتھ منسلکہ اُن تمام اہم تصورات کو سامنے لانے کی سعی کی ہے جن کی مدد سے اس کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔وہ اُسلوب کے پانچ پہلوؤں کو اس انداز سے بیان کرتی ہیں:

۱) اُسلوب بمعنی اظہارِ روح،تصویرِ دماغ،مظاہرِ فطرتِ انسانی،حصہ شخصیت انسانی

۲) اُسلوب بمعنی عناصرِ فکر،لباسِ فکر

۳) اُسلوب بمعنی زبان کا منفرد ذریعہ،بیان کا متوازن طریقہ،اظہار کی ذاتی صفت، بے محابا قوتِ لسانی

۴) اُسلوب بمعنی قاری سے تعلق پیدا کرنے کا سلیقہ،قاری کو متحرک کرنے کا ذریعہ

۵) اُسلوب بمعنی لسانی اظہار کے جملہ امکانی عناصر کا استعمال''(۹)

اس اقتباس میں اُسلوب کے ان داخلی امور کو واضح کیا گیا ہے جن کی مدد سے اُسلوب کے خدوخال مزید نمایاں

ہوئے ہیں۔ یہاں شخصی مظاہر، اظہار، زبان و بیان، تاثیر اور انفرادیت کا خصوصی ذکر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان صفات کے بغیر اُسلوب کا تصور محال ہے۔ اُسلوب میں ہر عنصر ایک اضافی اور افادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے جس میں قطعیت کا عمل دخل کم کم ہوتا ہے۔ اچھا اُسلوب وہی متصور ہوتا ہے جو قاری کے شعور کو برانگیخت کرے اور اسے جذباتی سطح پر متحرک کر دے۔ یہ لازمی نہیں ہوتا کہ جو تحریر سادہ، رواں اور برجستہ ہو صرف اُسی کا اُسلوب معیاری ہوگا کبھی کبھار ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مشکل اور پیچیدہ زبان سے تشکیل پانے والا اُسلوب بھی قبولِ عام کا درجہ اختیار کر جاتا ہے جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کا اُسلوب نثر میں اور غالب کا شاعری میں۔ اسلوب اپنی نوعیت اور برتاؤ کے اعتبار سے رنگ بھی بدلتا ہے۔ یہ رنگ و آہنگ موضوع کی وجہ سے بھی بدلتا ہے اور اندازِ فکر کی وجہ سے بھی اپنا علاقہ بدلنے پر قادر ہے۔ ممتاز حسین نے اپنی کتاب ''ادب اور شعور'' میں اُسلوب کی جذباتی قوت اور اس کے مطالبات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے پانچ منطقوں میں تقسیم کیا ہے:

> ''ایک اُسلوب زیرلب گنگنانے، خود اپنی ذات سے ہم کلام ہونے یا اپنے ہی خواب میں در آنے کا ہوتا ہے۔ دوسرا خواب سے بیدار ہو کر دوسروں کو چونکانے اور جگانے کا۔ تیسرا کاروباری جسے ان دنوں صحافتی کہتے ہیں۔ چوتھا خالصتاً فکری اور پانچواں طنز و مزاح کا جس کو متعین کرنا ذرا مشکل ہے۔''[۱۰]

یہ سب ابلاغ و اظہار کے قرینے ہیں اور انسانی روح کے اندر چھپے حقائق کو منکشف کرنے کے ذرائع ہیں جن میں سے ہر ذریعہ اپنے مقاصد کا پابند ہوتا ہے۔ اُسلوب کا تعلق خواہ کسی بھی منطقے کے ساتھ ہو اس کا مقصد کلام میں زورِ بیان اور حسن پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ "انور تم کافی دنوں بعد آئے ہو" اور پھر یہ کہنا کہ "انور تم تو عید کا چاند بن گئے ہو" بظاہر دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے لیکن ان کا معنوی حسن اور لفظی جمالیات کی تاثیر جدا جدا نتائج کی حامل ہے۔ ایک ادنیٰ ذوقِ سلیم رکھنے والا شخص بھی دوسرے جملے کی بلاغت کا پورا پورا لطف اٹھائے گا۔ اُسلوب ایک باقاعدہ فن ہے جس میں الفاظ و تراکیب کی چستی اور جملوں کا دروبست اپنے راز کھول کے رکھ دیتا ہے اور ہر صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق اپنی اپنی سہولت کے مطابق تخلیقی فن پاروں سے نگینے تلاش کرتا ہے۔ اُسلوب کے تمام عمومی مباحث اقداری ہوتے ہیں جس میں قاری یا ناقد اپنے زورِ مطالعہ اور ذوق کی بدولت ادبی فیصلے سناتا ہے۔ اچھے بُرے اور معیاری یا غیر معیاری کا فیصلہ ناقد کی مرضی پر منحصر ہے۔ اُسلوب کے جملہ محاسن و معائب کی ذمہ داری پڑھنے والے پر از خود عائد ہو جاتی ہے۔ اس سارے عمل میں جیسی جس کے گمان میں آئی کے مصداق فیصلے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سید عابد علی عابد کی معروف تصنیف "اُسلوب" اسی روایتی فکر کا تکمیلی نقطہ ہے۔ اُسلوب کے بارے میں یہ مخصوص اندازِ نظر خالص ادبی تنقید کے زمرے میں آتا ہے جس کا لسانیات یا اُسلوبیات کے ساتھ ہم رشتہ نہیں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اُردو ادب میں ہم اسے اُسلوب کا روایتی مکتب کہہ سکتے ہیں۔ روایتی اُسلوب کی اس طائفے میں سید عابد علی

عابد، حامد اللہ افسر، ڈاکٹر سید عبداللہ، ممتاز حسین، ڈاکٹر عبادت بریلوی، نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، آل احمد سرور، سجاد باقر رضوی اور ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی کے نام نمایاں ہیں۔اس کے مقابلے میں اُسلوبیات یا اُسلوبیاتی تنقید کے زمرے میں مسعود حسین خان، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مرزا خلیل بیگ، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر نصیر احمد خان، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر عطش درانی، ڈاکٹر شارب ردولوی، وہاب اشرفی، قاسم یعقوب، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ریاض صدیقی، ، ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر صلاح الدین درویش، طارق سعید اور ڈاکٹر روبینہ شاہین کے نام لیے جا سکتے ہیں۔دنیائے ادب میں ایسے ادیب کم کم گزرے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں صاحبِ اسلوب کہا جا سکتا ہے اُردو زبان و ادب خصوصاً شاعری کے ضمن میں میر تقی میر، غالب اور میر انیس، جب کہ نثر میں محمد حسین آزاد، ور مولانا ابوالکلام آزاد نمائندہ صاحبِ طرز ادیب ہیں۔فارسی شاعری میں حافظ، سعدی اور فردوسی کو انفرادی اُسلوب کے حوالے سے فضیلت حاصل ہے۔

(ب) اُسلوبیات کیا ہے؟

اُسلوب کا معروضی اور سائنسی مطالعہ اُسلوبیات کہلاتا ہے یعنی ادبی متن میں موجود مخصوص زبان کا مطالعہ اُسلوبیات کا کام ہے۔یہ خالصتاً متن اساس تنقید ہے جس میں متن کے اُن خصائص سے تعرض کیا جاتا ہے جن کا تعلق ادبی صفات کے برعکس لسانی صفات کے ساتھ ہوتا ہے۔اُردو زبان میں اُسلوبیات کے جدید تصورات پر لکھنے کا سلسلہ گزشتہ کچھ برسوں سے شروع ہوا ہے، لیکن مغربی ادبیات میں اس حوالے سے خاصا کام پہلے سے موجود ہے اور ہندوستان میں بھی اس پر لکھنے والوں کی تعداد خاصی حوصلہ افزا ہے۔اُسلوبیات کے بنیادی تصورات سمجھنے کے لیے ہمیں اُن تعریفوں کو دیکھنا ہوگا جو ہماری معاونت کر سکتی ہیں۔اس کا آغاز ڈاکٹر گوپی چند نارنگ سے کیا جا سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''اُسلوبیات کی اصطلاح تنقید میں زیادہ پرانی نہیں۔اس صدی کی چھٹی دہائی (۱۹۶۰ء) سے اُسلوبیات کا استعمال اس طریقِ کار کے لیے کیا جانے لگا ہے، جس کی رُو سے روایتی تنقید کو موضوعی اور تاثراتی انداز کے بجائے ادبی فن پارے کے اُسلوب کا تجزیہ معروضی لسانی اور سائنٹی فک بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔۔۔اُسلوبیات یا ادبی اسلوبیات ادب یا ادبی اظہار کی ماہیت سے سروکار رکھتی ہے۔''۱۱

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اُسلوبیات کی مزید وضاحت و صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اُسلوبیات وضاحتی لسانیات (Linguistics Descriptive) کی وہ شاخ ہے جو ادبی اظہار کی ماہیت، عوامل اور خصائص سے بحث کرتی ہے۔اور لسانیات چوں کہ سماجی سائنس ہے اس لیے اسلوبیات اسلوب کے مسئلے سے تاثراتی طور نہیں بلکہ معروضی طور پر بحث کرتی ہے، نسبتاً قطعیت کے ساتھ اس کا تجزیہ کرتی ہے اور مدلل سائنسی صحت کے ساتھ نتائج پیدا کرتی ہے۔اسلوبیات کا بنیادی تصور یہ ہے کہ

کوئی خیال، تصور، جذبہ یا احساس زبان میں کئی طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔''۱۲

ڈاکٹر نارنگ کے اس بیان میں باقی وضاحتیں تو ٹھیک ہیں لیکن اُسلوبیات کو "وضاحتی لسانیات" کی شاخ قرار دینا ٹھیک نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق اطلاقی لسانیات (Applied Linguistics) کے ساتھ بنتا ہے۔ڈاکٹر نارنگ کے علاوہ کسی اور نقاد یا ماہر لسانیات نے اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ پاک و ہند کے تمام ناقدین اور مغربی حکما اس نقطے پر متفق ہیں کہ اُسلوبیات اطلاقی لسانیات کا ذیلی شعبہ یا شاخ ہے۔مسعود حسن خان، ڈاکٹر نصیر احمد خان اور مرزا خلیل احمد بیگ نے اُسلوبیات کو اطلاقی لسانیات کے تحت زیر بحث لایا ہے۔اس روایت کے ایک اہم رکن ڈاکٹر نصیر احمد خان اس جدید مکتبِ تنقید کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے نصف دوم یعنی ۱۹۵۰ء کے بعد اطلاقی لسانیات کی اہم شاخ کی حیثیت سے اُسلوب کے مطالعے کو فروغ ملتا ہے۔اس کی طرف متوجہ ہونے والوں میں بیشتر ایسے ماہرین تھے جنھیں لسانیات کے ساتھ ساتھ ادبی موضوعات سے بھی دلچسپی تھی۔ان لوگوں نے اُسلوبیات پر ایک علم کی حیثیت سے غور کرنا شروع کیا۔زبان اور ادب اور اسلوبیات کے مختلف موضوعات پر بحثیں کیں۔شعری اُسلوب کے صوتی، صرفی، نحوی، لفظی اور معنوی پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور بحور و اوزان سے متعلق مسائل پر بھی غور کیا۔یہ سب لسانیات کے اصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔''۱۳

ادبی اُسلوب کے تکنیکی اور تجزیاتی مطالعات کے بارے میں بھی ڈاکٹر نصیر احمد خان نے وقیع معلومات فراہم کی ہے۔اُن کے نزدیک اگر صوتیات پر توجہ کی جائے گی تو پھر اُس میں ردیف و قوافی کی خصوصیات کے ضمن میں آوازوں کیا امتیازات، مصمتوں اور مصوتوں کے تناسب پر بات کرنا ضروری ہو جائے گا۔ادبی متن کی تشکیلاتی اور نحوی سطحوں کو نمایاں کرنے کے لیے جن امور پر خصوصی نظر کرنا لازمی ہیں اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

''لفظوں اور جملوں کی ساخت، تشکیل و ترتیب، لفظوں اور کلموں و فقروں کیا قسام اور جملوں میں لفظوں کا دروبست، وغیرہ۔لفظی سطح پر مخصوص لفظیات، اُن کی قواعدی درجہ بندی، انواع و اقسام، تواتر و تناسب اور تراکیب و مرکبات وغیرہ۔بدیعی سطح پر امتیازی شکلیں مثلاً پیکر تراشی، علامت، تمثیل، کنایہ تشبیہ، استعارہ وغیرہ اور عروضی امتیازات میں اوزان بحور اور زحافات خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔''۱۴

اُسلوبیات کا اصل کام کسی مصنف کے لسانی امتیازات کو نشان زد کرنا ہے لیکن یہ محض لسانی مطالعہ نہیں ہے کیوں کہ اس میں مصنف کی انفرادیت تک پہنچنے کی ٹھوس کوشش کی جاتی ہے اور اس کوشش میں تخلیق کار کے لسانی امکانات اور خصائص کو سامنے لایا جاتا ہے۔اس تجزیاتی عمل کے دوران زبان کا کلی تصور پس منظر میں فعال رہتا ہے اور تخلیق کار کی لسانی انفرادیت کا مرحلہ بھی بخیر و خوبی طے پاتا چلا جاتا ہے۔اُردو ادب میں یہ شعبہ چوں کہ قدرے نیا

ہے اس وجہ سے اس میں کبھی کبھار کچھ غلط مبحث بھی پیدا ہونے لگتے ہیں، مثلاً اُسلوبیاتی تنقید کو عمومی لسانی تنقید سمجھ لیا جانا ایک ایسا عام مغالطہ ہے جس کی وجہ سے تنقید کا یہ جدید طریق کار اپنی واضح شناخت قائم نہیں کر پاتا اور اس کے بارے میں غلط فہمیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے اپنے طور پر اس مغالطے سے بچنے کے لیے یہ لکھا ہے:

''زبان کا صرف لسانیاتی تجزیہ اُسلوبیاتی تجزیہ نہیں کہلا سکتا۔ اُسلوبیاتی تجزیے کی بنیاد لسانیاتی تجزیے پر ضرور قائم ہے، لیکن خالص لسانیاتی تجزیے کو اُسلوبیاتی تجزیہ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اس میں لسانیاتی تجزیے کے علاوہ اسلوبی خصائص کی شناخت بھی ضروری ہوتی اور اُسلوبی خصائص کا تعین اسی وقت ہو سکتا ہے جب فن پارے کا لسانیاتی تجزیہ کیا جائے۔ لہٰذا اسلوبیاتی تنقید کو صرف لسانیاتی تنقید سمجھ لینا کافی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر اسلوبیاتی تجزیہ، لسانیاتی تجزیہ بھی ہوتا ہے۔ کچھ اہلِ علم اسلوبیاتی سے صرف لسانی تجزیہ ہی مراد لیتے ہیں۔ اسلوبیاتی تنقید کی مکمل شکل وصورت یہ ہوگی۔۔۔ لسانیاتی تجزیہ + اُسلوبیاتی خصائص کی شناخت = اُسلوبیاتی تنقید۔''۱۵

محولہ بالا بیان سے یہ اصول اخذ کرنا آسان ہے کہ اُسلوبیاتی تنقید کا تعلق متن کے مواد اور موضوع سے نہیں ہوتا کیوں کہ یہاں بات کرنے کے لیے قاری یا ناقد کو اقداری فیصلوں کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ متن کی ظاہری اور معروضی شکل یعنی اُسلوب سے ہوتا ہے اور یہی وہ اصل شئے ہے جو مواد اور موضوع کو ادبی حدود میں داخل کر کے اس میں ادبیت پیدا کرتی ہے۔ اُسلوب کے دو پہلو ہیں، ان میں سے ایک کا تعلق ادب کے ساتھ بنتا ہے اور دوسرا لسانیات سے جا ملتا ہے۔ اُسلوب کی تشکیل میں ایسے بے شمار عناصر موجود ہوتے ہیں جن کا مطالعہ معروضی پیمانوں کی مدد سے بآسانی کیا جا سکتا ہے اور انھی کو بنیاد مان کر کسی مصنف کی انفرادیت قائم کی جا سکتی ہے۔ ہر بولنے یا لکھنے والا شخص زبان کے استعمال میں ایک ''لسانی انتخاب'' کے عمل سے گزرتا ہے اب یہ اُسلوبیات کا وظیفہ ہے کہ وہ اس لسانی انتخاب کا معروضی مطالعہ کرے اور اُس لسانی انفرادیت کو ظاہر کر دے جو ایک مصنف کو دوسرے سے ممتاز اور ممیّز بناتا ہے روایتی اُسلوب کے مسائل نسبتاً آسان اور عام فہم ہیں لیکن اُسلوبیات (Stylistics) کے تمام مسائل اپنے اندر تفہیم اور برتاؤ کی پیچیدگی رکھتے ہیں۔ ادبی اُسلوبیات میں متن کا صرف لسانی تجزیہ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے تاہم اس میں جمالیات کے مباحث بھی ایک خاص حد تک شامل ہو جاتے ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے اُسلوبیات کے حوالے سے جو اجتہادی کام کیا اُس میں ادبی اُسلوب کا بھی معقول حصہ شامل نظر آتا ہے۔ ان سے قبل کسی اور اُسلوبیاتی نقاد نے اس قسم کی کسی گنجائش پر بات نہیں کی تھی۔ روبینہ شاہین اس بحث کے مزید زاویوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اُسلوب، لسانیات اور اُسلوبیاتی تنقید ایک تکون کیتین کونے ہیں جو ایک دوسرے کیساتھ ساتھ چلتے

ہیں۔اُسلوبیات کا تعلق ادبی اظہار کی ماہئیت سے ہوتا ہے اس کے ذریعے نہ صرف ادبی فن پارے کے سماجی پس منظر کو دیکھا جاتا ہے بلکہ اس میں مصنف کے اُسلوب کے ذریعے اس کی نفسیاتی کیفیات اور تہذیبی محرکات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہیاسی لیے اُسلوبیات کا بنیادی تصور اُسلوب سے اخذ کیا گیا ہے''۱۶

ادب کا لسانی جائزہ محض ایک میکانکی عمل نہیں ہوتا بلکہ اس میں زبان کے ان تمام عوامل اور اجزائے ترکیبی کا کھوج لگایا جاتا ہے جو ایک مصنف کے اُسلوب میں بنیادی تعارف کا ذریعہ بنتے ہیں۔ادب کا ہر اُسلوبیاتی جائزہ سماجی لسانیات سے بھی حسبِ ضرورت مدد لیتا ہے تا کہ اسلوب میں موجود سماجی محرکات کو بھی منکشف کیا جا سکے۔رچرڈسن نے اپنی اُسلوبیاتی تحقیقات میں اس علم کی حدود کو وسعت آشنا کرتے ہوئے لکھا ہے:

''Linguistics is generally classified as one of the social sciences, along with sociology,lemography)the study of population(the more socially oriented branches of anthropology, geography and psychology and soon)''17

اُسلوبیات کی بنیاد چوں کہ لسانیات پر استوار ہے اس لیے لسانیات میں شامل تمام دیگر مضامین بھی کسی نہ کسی حوالے سے اُسلوبیات کے دائرہ اثر میں شامل ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایسے تمام سماجی علوم وفنون(مثلاً عمرانیات،علم الانسان،نفسیات اور سیاسیات وغیرہ)جو انسان کے فکری اور عملی جہات سے منسلک ہیں اُن کا ایک واضح عکس ہمیں اُسلوبیات میں بھی دکھائی دیتا ہے۔تنقید ایک ایسی علمی اور تخلیقی سرگرمی ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ان اضافوں کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ متن کی دنیا کو زیادہ سے زیادہ سمجھا اور پرکھا جا سکے۔تنقید کے روایتی دبستانوں میں متن کی تفہیم کا بڑا ذریعہ ذاتی پسند و ناپسند،ذوق اور مزاج ہوا کرتے تھے۔اس قسم کی تنقید بالعموم یک رخی ہوتی اور ہر نقاد اپنی سہولت کے مطابق فیصلے صادر کرتا تھا۔اس دور کی تنقید کا ایک نمایاں کمزور پہلو یہ تھا کہ اگر کسی بڑے ناقد نے کسی تصنیف یا صاحبِ تصنیف کے بارے میں جو رائے قائم کر دی پھر وہ حتمی متصور ہوتی تھی اور بعد میں آنے والوں کے لیے اس رائے کا احترام فرائض میں شامل ہو جاتا تھا۔یہ طریق ہائے تنقید آہستہ آہستہ اپنی ساکھ کم کرتے گئے اور ان کی جگہ تنقید کے ایسے نئے نظریات متعارف ہونا شروع ہوئے جن کی مدد سے متن کی اہمیت اور اُس کی تفہیم میں سہولت پیدا ہونا شروع ہوگئی۔تنقید کی یہی آزادہ روی ادبی شعور میں استحکام پیدا کرتی ہے۔تنقید کے انھی معاملات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں:

''کسی ادب پارے کی صحیح قدر و قیمت اس وقت متعین ہوتی ہے جب اس کے تمام مضمرات روشنی میں آ جائیں،جن کا تعلق بہ یک وقت فکر و نظر،مواد،ہیئت،موضوع و اُسلوب اور لفظ و معنی دونوں سے ہوتا ہے۔یہی ادب کا جامع اور تعمیری نقطہء نظر ہے اور ہر اچھی تنقید اسی کو مدنظر رکھتی ہے''۱۸

اُسلوبیات کا جدید دبستان تنقید کے اسی جامع تصور کی ایک توسیع ہے۔اس میں متن کا مطالعہ، تخلیق کار کے اُسلوب کا توضیحی اشاریہ کچھ اس انداز سے مرتب کرتا ہے کہ اس میں اُسلوب کیصوتی، صرفی، لغوی، نحوی، قواعدی اور معنیاتی صفات روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔اُسلوبیات نے ادب اور لسانیات کے درمیان ہم رشتگی کا گہرا شعور عطا کیا ہے۔تنقید کا یہ اندازِ نظر خالص منطقی اور معروضی ہوتا ہے تاہم اس میں کسی حد تک تاثراتی اور جمالیاتی زاویے بھی شامل سمجھے جاسکتے ہیں۔اُسلوبیات کے جدید مفہوم، طریقِ کار اور تجزیات کے حوالے سے نظری مباحث کا سلسلہ جس شد و مد سے جاری و ساری ہے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہمارے اُردو نقاد تنقید کے نئے عالمی مباحث میں کس قدر دل چسپی رکھتے ہیں۔جدید دنیا کا تصور اب ایک قریہء آفاقی کی صورت کیا جانے لگا ہے جس کی وجہ سے فکر و نظر کی دنیا میں بھی ہل چل مچ گئی ہے کیوں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے کئی مصنوعی حد بندیوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

> ''ہم مشرق کے باسی ہوں یا مغرب کے، اس دنیا کے بھی تو باسی ہیں۔یہ کرہ ارض ایک ہے۔سائنس ہو یا علوم کی روایت کچھ دریافتیں، کچھ فکری پیش رفت اس نوعیت کی ہے کہ کُلی انسانی روایت کا حصہ بن جاتی ہے، اس سے ہم استفادہ کیوں نہ کریں؟ اگر دوسری قومیتوں کا اس پر حق ہے تو ہمارا کیوں نہیں۔''۱۹

اُردو ادب میں عالمی ادبیات کے اثرات تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ہماری تنقید اور پھر دیگر اصناف مثلاً افسانہ، ڈرامہ، ناول اور آزاد نظم پر انگریزی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور روسی ادب کا اثر کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ہائیکو جیسی بدیسی جاپانی صنف ہمارے ہاں قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔یہی عالمی اثرات ہمیں جدید تنقید پر نظر آتے ہیں جس کا سلسلہ حالی اور آزاد سے چلتا ہوا دورِ حاضر تک آ پہنچتا ہے۔مغربی کی تنقیدی روایت نے اُردو تنقید کے سفر کو جس انداز سے تیز کیا اور نئے نئے افکار کی ترویج و ترقی میں جو مثبت کردار ادا کیا اس کا ذکر اکثر و بیشتر ہوتا ہی رہتا ہے۔ ڈاکٹر خورشید جہاں نے اپنے پی ایچ ڈی کے پراجیکٹ ''جدید اُردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات''۲۰ میں اس اہم ادبی مسئلے کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور مغربی اثرات کی پوری روایت کو سامنے لانے کی کامیاب سعی کی ہے۔ بعد میں پھر ڈاکٹر رفعت اختر خان اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اُردو تنقید پر عالمی اثرات''۲۱ کے ذریعے اُن تمام مرکزی تحریکوں اور رجحانات کو سامنے لایا جس نے اُردو تنقید کو ثروت مند بنانے میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔اب اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنا چاہیئے کہ اُردو تنقید کا نیا اُسلوبیاتی دبستان بڑی حد تک مغربی افکار و نظریات کا مرہونِ منت ہے۔البتہ اس کے ابتدائی نقوش مشرقی اندازِ نقد میں کہیں کہیں ضرور نظر آ جاتے ہیں۔ اُسلوبیات میں لسانیات کا عمل دخل اس حد تک حاوی ہے کہ اب کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ خود لسانیات اس ضمن میں کیا کہتی ہے۔خوش آیند بات یہی ہے کہ زبان کے جدید تصورات نے اُسلوبیات کو ادب فہمی کا ایک موثر ذریعہ بنا دیا ہے۔زبان کی داخلی

اور خارجی معنویت کے بارے میں ڈاکٹر نصیر احمد خان کا کہنا ہے:

''ادبی زبان فکری ترسیل کا نام ہے۔جس کے ایک طرف تخلیق کار اور دوسری طرف قاری یا سامع ہوتا ہے۔اسی زبان کے ذریعے ایک یا شاعر اپنی ذات، قاری، تخلیقی اور حقیقی دنیا کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے۔ادب کی زبان کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں۔کبھی وہ علامتی (Symbolic) ہو جاتی ہے تو کبھی ترسیلی (Expressive) اور کبھی حوالہ جاتی (Referential) یا جمالیاتی (Aesthetic) اُسلوبیات اپنے مطالعے کے وقت ادبی زبان کے نہ صرف ان پہلوؤں پر توجہ دیتی ہے بلکہ اس میں پوشیدہ جمالیاتی خصوصیات کا بھی جائزہ لیتی ہے۔''۲۲

اُسلوبیاتی مطالعات میں زبان کا وہ بنیادی وصف سامنے آتا ہے جس میں آوازوں، لفظوں اور ساخت کو نئے نئے زاویوں سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔متن کا یہ معروضی مطالعہ جہاں ایک طرف تخلیقی ہیئت کو واضح کرتا ہے وہاں تہذیبی، اخلاقی اور عصری لسانی حسیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔تخلیقی متن ایک ایسا لسانی کُل تشکیل دیتا ہے جس کے باطن میں اتر کر اُس لسانی ساخت اور اُن سے منسلک رشتوں کو منکشف کرنا ممکن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے متن لغت سے اُوپر اُٹھ کر اپنے معنوں میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ادبی زبان میں ساخت یا بناوٹ کو اساسی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہاں زبان کی ترسیل اور اُس سے وابستہ معنی در معنی کا ایک ایسا بے انت سلسلہ شروع ہوتا ہے جو قاری کے لیے ایک چیلنج بن جاتا ہے۔اب یہ اُسلوبیات کا کام ہے کہ وہ ادبی فن پارے کی اُس مخصوص خاصیت کا کھوج لگائے کہ زبان کس طرح عام بول چال کی سطح سے بلند ہو کر نئے نئے معنی پیدا کرنے کے بعد معنی کا یہ سلسلہ ملتوی کرتی چلی جاتی ہے۔ادبی زبان میں الفاظ کی اس خاص کیفیت کے لیے ''Foregrounding'' کی اصطلاح برتی جا رہی ہے۔ یہ اصل میں ادبی اور تخلیقی زبان کا عمومی اظہاریوں سے انحراف کا عمل ہے۔لسانی انحراف کا یہ عمل جتنا زیادہ ہوگا اُسی تناسب سے فورگراؤنڈنگ کا عمل زیادہ رنگا رنگ اور وسعت پذیر ہوتا چلا جائے گا۔یہ انحراف بہ یک وقت کئی سطحوں پر متحرک ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ لفظ کے صوری و معنوی تغیرات کے ساتھ ساتھ استعارے اور محاورے کے استعمال میں بھی مضمر ہوتا ہے۔ جملے کی نحوی اور قواعدی ترتیب و تنظیم کے انحرافات بھی فورگراؤنڈنگ کی توسیع ہیں۔لغت سے تجاوز کرتے ہوئے جب نئے نئے الفاظ و تراکیب وضع کیے جاتے ہیں تو اُن کا بڑا مقصد تجریدی جذبات و احساسات کی ترجمانی ہوتا ہے اور اس کا حصول اُسی وقت ممکن ہے جب روایتی پیٹرن کو چھوڑ کر تخلیقی اُپج اور انحراف کو اپنایا جائے، یہ تمام نئے انداز اس فورگراؤنڈنگ کے تحت ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔اُسلوب کے تمام خارجی اور داخلی انحراف یہاں زیرِ بحث آتے ہیں اور یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مجاز کے تمام علاقے اصل میں اُسلوبیات کی اقلیم کا ناگزیر حصہ ہیں۔ہر زبان کا ایک مخصوص ضابطہ یا قاعدہ ہوتا ہے جو روزمرہ بول چال میں باہمی تفہیم اور افادے کی بنیاد پر فعال

رہتا ہے،اس کی مدد سے مخاطب اور سامع میں کسی قسم کا مغالطہ پیدا نہیں ہوتا۔ کہنے والا جو کچھ کہتا ہے سننے والا وہی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ایسی گفتگو میں الفاظ عموماً لغوی حد بندیوں کو تسلیم کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے روزانہ کے معاملات میں کوئی ابہام یا رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی کیوں کہ اس نوع کی تحریر یا گفتگو میں فورگراؤنڈنگ کا عمل وقوع پذیر نہیں ہوتا۔اس کے برعکس تخلیقی زبان کی تمام تر کرشمہ سازیاں فورگراؤنڈنگ پر اُستوار ہوتی ہیں۔ ہر زبان میں تخلیقی اظہار کے بے شمار امکانات پوشیدہ ہوتے ہیں اور جو تخلیق کار جتنا زیادہ ان امکانات کو برت سکتا ہے اُس کی تحریر میں معنوں کی دنیا بھی پھیلتی چلی جاتی ہے۔

(ج) اُسلوبیاتی تنقید

اُردو زبان وادب میں اُسلوبیاتی تنقید بڑی تیزی سے اپنی جگہ بنا رہی ہے۔جدید تنقیدی رجحانات نے متن کی تفہیم اور تجزیے کی جو نئی راہیں دریافت کی ہیں اُن میں اُسلوبیاتی تنقید کو خاص امتیاز حاصل ہے۔قاسم یعقوب اس نئی تنقیدی روش کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اُسلوبیاتی تنقید،تنقید کی وہ شاخ ہے جس میں کسی فن پارے کے لسانیاتی نظام کو گرفت میں لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔جو تخلیقی کارگزاری میں ایک نامیاتی عمل کے طور پر شامل ہوتا ہے۔اُسلوبیاتی تنقید اُس اُس نظام کا تجزیہ کرتے ہوئے اُن امتیازات کو نشان زد کرتی ہے جس سے فن پارہ ایک مختلف تخلیقی شناخت قائم کرتا ہے۔ادبی تنقید کا بنیادی تفاعل ادبی جمالیات کی نشان زدگی ہے۔۔۔اُسلوبیاتی تنقید،ساختیاتی تنقید کی طرح متن بنیاد ہوتی ہے۔۔اسلوبیاتی تنقید،تنقید کا نظری ماڈل نہیں۔یہ اطلاقی لسانیات کی ایک شاخ کہلائی جاتی ہے۔''۲۳

اُسلوبیاتی تنقید کسی ادب پارے کا مجموعی تعارف یا تجزیہ پیش نہیں کرتی بلکہ صرف اُس کی لسانی جہتوں کی عقدہ کشائی کرتی ہے۔اس کا کام فکر ونظر کے صغرے کبرے تلاش کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی سماجی اور ثقافتی معاملات میں اس کی کوئی مداخلت سامنے آتی ہے۔اُسلوبیاتی تنقید کا منصب تخلیقی متن میں لسانی صفات کی تلاش وجستجو ہے۔یہاں لفظ کی صوتی اور معنیاتی سطحوں کا تجزیہ اور مطالعہ کیا جاتا ہے۔متن میں اظہار کے قرینے چوں کہ جملوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں لہٰذا جملوں کی نحوی اور قواعدی ساخت کا عمل بھی اسی تنقید کی حدود میں شامل ہے۔اگر معاملہ شعری تنقید کا ہو تو پھر اُس میں بحروں کے تجزیات کے علاوہ حروف کی آوازیں،صوتی ارکان،حروفِ علت،مصمتہ،مصوتہ، کھلے رکن، پابند رکن،ردیف،قوافی،شعری صنف ،الفاظ کی تکرار اور تضاد کی صورتوں کا بھی عمیق تجزیہ کیا جاتا ہے۔صوتی آہنگ کے تحت مصرعے کی صفیری، ہکاری اور معکوسی آوازوں کو نشان زد کیا جاتا ہے۔جملوں یا مصرعوں کی اسمیہ اور فعلیہ حالتوں کا بیان بھی اُسلوبیاتی تنقید کا ناگزیر حصہ ہے۔اُسلوبیاتی تنقید کے شعری تجزیات اس حد تک سائنسی اور

معروضی ہیں کہ ہر تجزیے کو شماریاتی مراحل سے گزار کر ایک جامع اور مبسوط نتیجہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب ''ادبی تنقید اور اُسلوبیات'' میں شامل اپنے مضامین، "اُسلوبیاتِ میر"، "اُسلوبیاتِ انیس" اور "اُسلوبیات اقبال" میں اُسلوبیاتی تنقید کے ایسے تفصیلی مطالعات پیش کر دیے ہیں جن سے ہر شخص رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ڈاکٹر نارنگ نے اقبال کی طویل نظم" مسجد قرطبہ" کا تجزیہ مکمل کرنے کے بعد اس کا صوتیاتی گوشوارہ اس طرح مرتب کیا ہے:

''بند	صفیری آوازیں	ہکار و معکوسی آوازیں
پہلا بند	118	5
دوسرا بند	109	2
تیسرا بند	118	3
چوتھا بند	123	4
پانچواں بند	112	3
چھٹا بند	123	7
ساتواں بند	116	9
آٹھواں بند	112	6''(۲۴)

اس صوتیاتی تجزیے کا حاصل جمع یہ نکلتا ہے کہ " مسجد قرطبہ" کے چونسٹھ اشعار میں صفیری اور مسلسل آوازوں کی کل تعداد 931 جبکہ ہکار و معکوس آوازیں صرف ۳۹ ہیں۔اس نوع کی تجزیات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اُسلوبیاتی تنقید کا دائرہ کار خالص معروضی اور ریاضیاتی ہے۔تاہم نثری تجزیات میں کسی حد تک ادبی وسائل بھی استعمال کرنے پڑ جاتے ہیں جن کا مقصد لسانی افادے کی وضاحت ہو سکتی ہے۔اُسلوبیاتی تنقید میں جہاں صرفیات، صوتیات، نحویات، فونیم رکن کو نشان زد کرنا لازمی ہے وہاں لسانی فارم، بیانیہ اور اظہاری اُسلوب کی کارفرمائی پر توجہ کرنا بھی ناقد کی ذمہ داری ہے۔لفظی شماریات اور اسمیہ و فعلیہ جملوں اور مصرعوں کا تجزیہ بھی اُسلوبیاتی تنقید کے سروکار میں شامل ہیں۔فورگراؤنڈنگ کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا اُسلوبیاتی طریق تنقید پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُسلوبیاتی تنقید مصنف کے اُسلوب میں مضمر آوازوں کی تکرار، لفظوں کی ترتیب اور جملوں کے منفرد

نظام کو موضوع بناتی ہے، تا کہ عام بول چال کی زبان سے مصنف کی زبان یا اُسلوب کا انحراف یا امتیاز سامنے آ سکے''۲۵

اُسلوبیاتی تنقید نے متن کی خارجی دنیا کو جن منطقی اور فنی اُصولوں کے تحت سامنے لایا وہ بجائے خود ایک بڑا علمی کارنامہ ہے۔اس سے پہلے ناقدین کی ساری توجہ متن میں موجود نظری اور تعقلاتی مسائل پر مرکوز تھی اور ہر ناقد اپنے ایک مخصوص طرزِ فکر کے بھروسے پر ادب پارے کی گرہ کشائی کرتا تھا۔تنقید کا یہ پھیلاؤ بالآخر امتزاجی تنقید میں ضم ہوتا چلا گیا۔ماضی میں تنقید کے جتنے عظیم نظریے وجود میں آئے اُنھوں نے متن کی داخلی دنیا کا کھوج لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔اب اس بات کی ضرورت تھی کہ متن کی خارجی فضا کو بھی اسی علمی وفور کے ساتھ جانچا پرکھا جائے تا کہ اس کا حق بھی ادا کیا جا سکے۔اُسلوبیاتی تنقید نے اس کمی کو بڑی حد تک پورا کیا ہے۔ایک مصنف کو دوسرے مصنف سے منفرد قرار دینے میں اُسلوبیاتی تنقید ہماری خاص معاونت کرتی ہے۔اُسلوبیاتی تنقید نے مصنف کا مقام و مرتبہ بلند کیا ہے اور اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ کس طرح ایک خیال اپنے وجود کو منکشف کرنے کے لیے زبان کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔متن یا اُسلوب کے ان تشکیلی مراحل میں مصنف کا ذوق، مشاہدہ، عہد اور اکتسابی و وہبی صلاحیت اُسلوب میں ڈھل کر ایک وحدت بنتی چلی جاتی ہے۔ایک تخلیقی خیال کئی طرح سے اظہار کر سکتا ہے لیکن یہ فیصلہ اُسلوب کرتا ہے کہ اظہار کا کون سا قرینہ سب سے زیادہ مناسب رہے گا۔اگر دیکھا جائے تو یہ سارا عمل بہت پراسرار سا لگتا ہے اور بظاہر اس کی گرہ کشائی ناممکن نظر آتی ہے لیکن اُسلوبیاتی تنقید اس راز کا پردہ فاش کر دیتی ہے اور اُن اُسلوبی وسائل کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جاتی ہے جس کو بنیاد بنا کر ہم ایک تخلیق کار کو دوسرے تخلیق کار سے ممتاز قرار دے سکتے ہیں۔اسلوبیاتی تنقید اچھے یا برے اور معیاری یا غیر معیاری کا اقداری فیصلہ نہیں سناتی بلکہ ایک تخلیق کار کے اُن تمام لسانی اور اُسلوبی وسائل کا ٹھیک ٹھیک علم مہیا کرتی ہے جس کی مدد سے فنکار اپنے متن کا تاج محل تیار کرتا ہے۔روبینہ شاہین کا کہنا ہے:

''اُسلوبیات کے تحت کوئی خیال، تصور، جذبہ یا احساس زبان میں کئی طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔زبان کے تحت پیرایہ بیان کا استعمال شعوری بھی ہوتا ہے اور لاشعوری بھی ہوتا ہے۔اس میں ذوق، مزاج، ذاتی پسند و ناپسند، صنف یا ہیئت کے تقاضوں نیز قاری کی نوعیت کے تصور کو بھی دخل ہو سکتا ہے، یعنی تخلیق کے لیے ماضی یا مستقبل کے امکانات کا استعمال و انتخاب ہی اُسلوب ہے''۲۶

اُسلوبیاتی تنقید کا میدانِ عمل خاصا متنوع اور وسیع ہے۔علی رفاد فتیحی نے اپنی گراں قدر تصنیف "اُسلوبیاتی تنقید" میں اسے مزید وسعت آشنا کرنے کی جو سعی کی ہے وہ قابلِ تعریف اور قابلِ تقلید ہے۔اُنھوں نے تنقید کی اس

جدید روشکوصوتی وصرفی اور ہیئت ،الفاظ،تشبیہات،استعارات،محاورات وبحور کے تجزیات تک محدود رکھنے کے بجائے اس میں جمالیات کے رنگ بھی شامل کرنے کے کامیاب تجربات کیے ہیں۔اُن کا کہنا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اسلوبیاتی تنقید نہ صرف لسانیاتی اُصولوں کو بروئے کار لاتی ہے بلکہ جمالیاتی قدروں کو بھی اپنی بنیاد بناتی ہے۔ وہ تنقید جو صرف لسانیاتی اصولوں کو بروئے کار لاتی ہو اور صرف لسانیات کو اپنا نقطہ فکر بناتی ہے وہ "لسانیاتی اُسلوبیات" ہے لیکن جس اُسلوبیاتی تنقید میں لسانیاتی اصولوں اور جمالیاتی قدروں کی خوبصورت آمیزش نظر آتی ہے وہ "اُسلوبیاتی تنقید" ہے۔لسانیاتی اُصولوں اور جمالیاتی قدروں کی اس آمیزش کی وجہ سے اُسلوبیاتی تنقید کے ذریعے فن پارے کی لسانی اور جمالیاتی خصوصیات کا بیک وقت مطالعہ کیا جا سکتا ہے''۲۷

حسن یا جمالیات کے فکری اور فلسفیانہ مباحث خاصے پیچیدہ ہیں کیوں کہ اس میں حسن کے معروضی اور موضوعی پہلوؤں کا دقیق مطالعہ شامل ہو جاتا ہے۔اُسلوبیاتی تنقید میں حسن و جمال کے اُن خاص زاویوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے جن کی نوعیت بڑی حد تک افادی ہوتی ہے۔ادبی مطالعات کو جمالیات سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ ادب کی ہر صنف اور ہر موضوع کسی نہ کسی حوالے سے جمالیات کی اقلیم میں شامل رہتا ہے۔انسان کے پانچوں حواس جمالیات کا ادراک کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں لیکن ادبی معاملات میں انسانی کی قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ زیادہ فعال نظر آتی ہے۔یہ بظاہر ایک عجیب سی بات لگتی ہے کہ ادب میں جمالیات کے بیشتر مباحث کو شعر و شاعری تک محدود سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سارا تخلیقی ادب جمالیات کی حدود میں داخل ہے۔افسانہ اور ناول میں جمالیاتی قدروں کی جستجو ایک دل چسپ فکری سرگرمی بن سکتی ہے۔حسن کا ایک حوالہ تو فطرت ہے جبکہ دوسرا اہم حوالہ اسی فطرت میں انسانی اضافوں کے عمل سے مشروط ہے۔ادبی جمالیات کا تعلق دوسری قسم کے ساتھ بنتا ہے۔ادب کی دنیا میں نظم و ترتیب، ہم آہنگی، توازن اور سلیقہ شعاری کے جملہ عناصر ایک خاص اعتدال اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ موجود ہوتے ہیں جس کا مشاہدہ محسوسات کی کئی سطحوں پر کیا جا سکتا ہے۔ جمالیات کے ان تشکیلی عناصر میں اگر لامتناہیت اور آزادی کو بھی پہلو بہ پہلو رکھ دیا جائے تو ادبی جمالیات کا خاکہ مکمل ہو جاتا ہے۔اس طرح اُسلوبیاتی تنقید جہاں ایک طرف لسانیات سے گہرا تعرض کرتی ہے وہاں جمالیاتی اسباب بھی اُس کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔علی رفاد فتیحی نے اس ضمن میں درست نشان دہی کی ہے:

''اُسلوبیاتی تنقید اگر ایک جانب فن اور ادب کی جمالیاتی قدروں سے بحث کرتی ہے تو دوسری جانب ادب یا ادبی زبان کے لسانیاتی پہلوؤں پر بھی نظر رکھتی ہے۔۔۔اُسلوبیاتی تنقید نے جمالیاتی قدروں اور

لسانی اُصولوں کی آمیزش کو ہی اپنا اندازِ فکر بنایا ہے۔''۲۸

اُسلوبیاتی تنقید میں اسی اندازِ نظر نے توازن اور اعتدال کی کیفیت پیدا کی ہے۔ ہر فن پارہ اپنی ذات میں خود مکتفی ہونیکے باوجود کچھ ضمنی اور لازمی نسبتی مظاہر بھی رکھتا ہے۔جیسا کہ فن پارے میں حقیقی دنیا اور تخلیقی دنیا کی باہمی نسبت اور اُس کے مظاہر۔یہی نسبت اصل میں ادیب،قاری، تخلیق، تجربے اور زبان کے درمیان بھی قائم رہتی ہے۔ادب پارے کے یہ تمام باہمی رشتے جمالیات پر انحصار کرتے ہیں، کیوں کہ قاری اور متن کے رشتے میں جمالیات کی یہی مجموعی فضا اصل میں تفہیم وتجزیات کی راہ ہموار کرتی ہے۔ادبی زبان محض حوالہ نہیں ہوسکتی۔اگر ادب میں ٹھوس علمی مسائل کی فراوانی در آئے تو وہ تحریر از خود ادبی اقلیم سے باہر نکل جائے گی۔ادبی متن میں تخیل کی وجہ سے ایک ایسی تخلیقی دنیا کی تعمیر ہوتی ہے جہاں اشیا کی قدر و قیمت کا تعلق اکثر و بیشتر جمالیاتی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے:علی رفاد فتیحی لکھتے ہیں:

'' سائنسی مضامین کی زبان سپاٹ اور حوالہ جاتی ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس ادبی زبان کی تخلیقات جمالیاتی خوبیوں سے سجی ہوتی ہے۔ادبی موضوعات صرف حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ ان میں قوس وقزح جیسی رنگینی شامل ہوتی ہے۔موضوعات کی اس رنگا رنگی کے اظہار کے لیے ادبی زبان جمالیاتی رنگ وروپ اختیار کر لیتی ہے۔''۲۹

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب " ادبی تنقید اور اُسلوبیات" میں اُسلوبیاتی تنقید میں جمالیاتی پہلوؤں کے حوالے سے کوئی ایسی مدلل یا مفصل بات نہیں لکھی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اُسلوبیاتی تنقید میں جمالیاتی خصائص کی تلاش وجستجو کے ضمن میں کیا واضح نظریہ رکھتے ہیں لیکن اُن کی تحریروں سے یہ ضرور مترشح ہوتا ہے کہ وہ اُسلوبیات میں جمالیات کی کارفرمائی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے۔اُن کا یہ بیان توجہ طلب ہے:

''اُسلوبیات کے پاس خبر ہے نظر نہیں ہے، جمالیاتی قدر شناسی اُسلوبیات کا کام نہیں۔اُسلوبیات کا کام بس اس قدر ہے کہ لسانی امتیازات کی حتمی نشاندہی کر دے۔ان کی جمالیاتی تعین قدر ادبی تنقید کا کام ہے۔اس کی توقع ادبی تنقید سے کرنا چاہیئے نہ کہ اُسلوبیات سے۔''۳۰

اس کے برعکس اُردو ادب میں اُسلوبیاتی تنقید کے بانی مسعود حسن خان کے بارے میں مرزا خلیل احمد بیگ نے جو معلومات بہم پہنچائی وہ ہمیں تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھاتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنے مضامین میں اسلوبیاتی تجزیے کی معروضیت (Objectivity) اور

اس کے سائنسی انداز کے ساتھ ساتھ اس کے جمالیاتی پہلوؤں پر بھی زور دیا ہے اور ادب کے لسانیاتی تجزیے میں رچے ہوئے ذوق کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے یعنی اسلوبیاتی نقاد فن پارے کے اسلوبی خصائص اور دیگر لسانی جمالیاتی باریکیوں کی اسی وقت شناخت کرسکتا ہے جب اس کے اندر ادب کا رچا ہوا ذوق بھی ہو۔''۳۱

اسی اقتباس کا یہ حصہ بھی دعوتِ فکر دیتا ہے:

''پروفیسر مغنی تبسم بھی اُسلوبیاتی تنقید میں ادبی ذوق کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ان کے خیال میں ایک اچھا اسلوب شناس وہی ہے جو ادب کا سچا ذوق بھی رکھتا ہو ورنہ محض لسانیاتی اوزاروں (Linguistic Tools) سے کام لینے سے فن پارے کا تجزیہ میکانکیت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے ذوق کی اہمیت کو ہمارے مغربی اسلوبیاتی نقادوں نے بھی تسلیم کیا ہے اسی لئے وہ اسلوبیات کو ادبی مطالعہ و تجزئے کا لسانی جمالیاتی رویّہ یعنی (Lingua-Aesthetic approach) قرار دیتے ہیں۔''۳۲

حقیقت یہی ہے کہ اُسلوبیات کے تمام معیاری نظریے اور تجزیے جہاں لسانیات کے تکنیکی اور معروضی وسائل کو کام میں لاتے ہیں وہاں ادبی جمالیات کے مظاہر بھی اُن کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔اُسلوبیات کوئی جامد تنقیدی رویہ نہیں ہے کہ اس میں پہلے سے طے شدہ نظریات حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں بلکہ اُسلوبیاتی تنقید میں تخلیقی جہات سے صرفِ نظر کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔اگر ایک ناقد اُسلوبیات میں جمالیات کو خارج کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں بنتا کہ اُسلوبیاتی اقلیم میں جمالیات کا داخلہ ممنوع ہے۔کئی اور اہم نقاد اُسلوبیاتی تنقید میں جمالیات کو شامل بھی سمجھتے ہیں۔اُسلوبیاتی تنقید کے بنیادی مباحث اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اُسلوبیات کی تمام اقسام کو سامنے نہ لایا جائے۔یہ اقسام مشرقی اور مغربی ناقدین کی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔طارق سعید نے اپنی گراں قدر تصنیف "اُسلوب اور اسلوبیات" میں ڈاکٹر گن پتی گپت،آر ڈی بلیک مین اور ایچ ڈبلیو جانسن کی کتابوں اور مقالات سے استفادہ کرنے کے بعد اُسلوب کی درج ذیل اکیس اقسام کی نشان دہی کی ہے:

(۱) تعقیدی اُسلوب

(۲) مذہبی اُسلوب

(۳) مقفیٰ، مسجع اُسلوب، مرجز اُسلوب

(۴) تمثیلی، حکایتی اُسلوب

(۵) رنگین مرصع اُسلوب

(۶) محاوراتی اُسلوب

(۷) بنیادی اسلوب

(۸) سپاٹ وسادہ اُسلوب

(۹) بیانیہ اُسلوب

(۱۰) توضیحی اُسلوب

(۱۱) انانیتی اُسلوب

(۱۲) شگفتہ یا تاثراتی اُسلوب

(۱۳) طنزیہ یا ظرافت آمیز اُسلوب

(۱۴) خطیبانہ اُسلوب

(۱۵) حکیمانہ، فلسفیانہ اسلوب

(۱۶) مرقع نگاری یا محاکاتی اُسلوب

(۱۷) استعاراتی اُسلوب

(۱۸) اُسلوب جلیل

(۱۹) علامتی اُسلوب

(۲۰) ہیجانی، ماورائی یا منتشر خیالی کا شکستہ اُسلوب

(۲۱) امتزاجی اُسلوب۳۳

اسالیب کی یہ تقسیم جامع تو نہیں تاہم اس کی مدد سے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے!؟ سلوب اپنی نوع اور تنظیم کے اعتبار سے تکنیکی، موضوعی، تخلیقی اور جمالیاتی ہوسکتا ہے اور اس پر نفسیات، سماجیات، معاشیات اور جمالیات کے اثرات خاصے گہرے ہوتے ہیں۔ ارسطو کے زمانے سے لے کر بہت بعد تک اُسلوب کی درجہ بندی صرف چست اور ڈھیلے اُسلوب تک محدود تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں فن پارے کی تفہیم اور تجزیات کی نئی نئی راہیں سامنے آئیں وہاں اُسلوبیات کی علمی بحثوں نے فکر ونظر کے کئی نئے در بھی وا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ سید محمود الحسن اسی نکتے کو مزید

واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موجود دور میں وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ ژولیدگیٔ افکار، ادب کو سمجھنے اور سمجھانے میں سائنس و تکنیک کی ایسی گرہیں پیدا کرتا جا رہا ہے کہ تجربہ کا کوئی قطعی اور مستحکم اصول قائم کرنا مشکل بن گیا ہے۔نقاد محض روایتی اثر انگیزی یا تاثر پذیری کے نرم و نازک دھاگے کے ذریعے قاری اور تصنیف کے درمیان جذباتی اور فکری رشتہ تلاش کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اس فکر میں سرگرداں ہے کہ تنقید کا کوئی ایسا نظام قائم کر دے جو ادبی تجزیے کو سائنس کے مرتبے تک پہنچا دے۔جدید تنقید میں اُسلوبیاتی دبستان اسی کاوش کا نتیجہ ہے''۳۴

جدید اُسلوبیاتی تنقید نے متن میں موجود لسانی صداقت کی طرف جس انداز سے توجہ مبذول کی اُس کی وجہ سے تخلیقی عمل کا جوہر کشید کرنے میں آسانی ہوگئی ہے۔اُسلوب کو نظر انداز کر کے ہم کسی ادب پارے کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔اُسلوبیاتی تنقید نے ادب کی حدود کو وسعت آشنا کر دیا ہے اور اب اُسلوب کو محض لفظ وصوت کا مجموعہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک تخلیق کار کی شعوری اور لاشعوری واردات کو منکشف کیا جاتا ہے۔پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

''ہنرمندی کے تمام ذرائع سیرت کے تابع ہیں۔اُسلوب کا تعین اور تشکیل کی اساس بھی سیرت پر قائم ہے۔ادبیات عالم کے مطالعہ کے بعد یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ بڑے شہکار کے اسالیب میں خود فنکار کی سیرت کی جلوہ سامانی تاب کار حیثیت رکھتی ہے۔ذخیرہ الفاظ، آہنگ، تراکیب، تصوارت اور اختراعات میں اس کی اپنی شخصیت کی رونمائی عام ہے۔مکروہ یا ناپسندیدہ سیرت کے مالکوں کی اعلیٰ تخلیق بھی اسالیب کے معمولی میزان پر نہیں رکھی جاسکتی اور نہ انھیں یادداشت میں محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔''۳۵

اُسلوب کے روایتی مباحث ہوں یا اُسلوبیات کے جدید افکار ونظریات ان سب میں شخصیت کا حوالہ ضرور آتا ہے۔اُسلوبیات نے شخصیت کی کھوج لگانے میں بھی اہم وسائل مہیا کیے ہیں۔شخصی انفرادیت کی کھوج کا یہ عمل موضوع کے بجائے متن کی ہیئت اور لسانی و اُسلوبی خصائص پر توجہ کرتا ہے۔یہ مطالعہ اتنا عمیق اور ہمہ گیر ہوتا ہے کہ شخصیت کا بطون منکشف ہونے کے علاوہ اُس مخصوص عہد کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے جس میں وہ تصنیف وجود پذیر ہوئی تھی۔یہ سارا مطالعہ متن کی ظاہری یا معروضی حوالے سے ہوتا ہے۔اس اندازِ نقد میں اُسلوب کیا آہنگ، مزاج ،لسانی ترجیحات، فنی جہات اور برتاؤ کو کچھ ایسی مہارت سے پرکھا جاتا ہے کہ متن میں موجود فکر کی صحت و جامعیت پر بھی روشنی پڑتی ہے (اگرچہ فکر کی پرکھ اُسلوبیات کا منصب نہیں ہے)۔اُسلوبیات کے جدید مباحث میں وسعت کا یہ عالم ہے کہ اب اس کے ذریعے مصنف اور متن کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات کیے جاسکتے ہیں جو اس سے قبل ممکن

نہیں تھے۔اُسلوب کے روایتی مباحث میں خیال اور الفاظ سے وابستہ تمام امور مثلاً اختصار،سلاست،سادگی،زورِ بیان،پختگی، پرکاری،مبالغہ آرائی اور خوش آہنگی پر توجہ صرف کی جاتی تھی۔یہ امور صرف تاثراتی بنیادوں پر اپنا معاملہ طے کرتے تھے اور ہر صاحبِ ذوق اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کے تحت نتائج مرتب کرتا تھا۔اُردو تنقید میں تاحال یہ روش عام ہے۔اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نقاد جسے چاہے بڑا ادیب بنا کر پیش کر سکتا ہے اور جسے چاہے اقلیمِ ادب سے خارج بھی کر سکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تنقید کی اسی روش نے اُردو تنقید کو جوان نہیں ہونے دیا۔اُردو تنقید کے اسی انتشار نے ادبی تنقید کی ساکھ پر منفیت کا رنگ غالب کر دیا تھا۔یہ روش نہ جانے کب تک آگے چلتی رہتی لیکن بیسویں صدی میں جہاں علم وفنون کے تازہ افکار نے تخلیقی ادب کو متاثر کیا ہے وہاں تنقید نے بھی اس کے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔عصر حاضر میں متن کے خارجی اور داخلی مظاہر کی تفہیم وتشریح میں جو نئے پیرا ڈائم سامنے آئے اُس کی وجہ سے نقاد کی من مانی ختم ہوگئی ہے اور اُس کی جگہ ٹھوس علمی نظریات روز بروز مستحکم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔اب وہی نقاد معتبر سمجھا جائے گا جو عصر حاضر کی علمی ادبی روایات سے پوری طرح باخبر ہوگا،اور ایسے نقادوں کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی جو اپنی ذاتی پسند اور ناپسند پر بڑے بڑے فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔اُسلوبیاتی تنقید اسی جدید تنقید روش کی آئینہ دار ہے۔

مغرب میں اُسلوبیاتی مباحث کی عمر ایک صدی سے زائد ہو چکی ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اُردو زبان وادب میں بھی ناقدین کی ایک بڑی تعداد اس طرف متوجہ ہو چکی ہے اور اُن کی تحریروں میں اُسلوبیات کا ذکر معمول کی بات بن چکی ہے۔وہ زمانہ ختم ہوتا جا رہا جب ادبی تنقید میں مصنف کی ذات اور اُس کا عہد پیشِ نظر ہوتا تھا۔جدید تنقید نے بین العلومی روش کو اپنا لیا ہے جس کی وجہ سے لسانیات،فلسفہ،نفسیات،عمرانیات،تاریخ،بشریات اور نیورو سائنس کے مطالعات بھی ادبی تنقید میں شامل ہو چکے ہیں اور مزید علوم کا عمل دخل بھی ادبی فضا میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> ''اب تنقید میں محض تخیل آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ عملی اور تجزیاتی طریق کار بھی اختیار کیا جاتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید نظریہء تنقید کی تمام خوبیاں اُسلوبیاتی تنقید میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ادبی تنقید کو مطالعہء ادب کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرانے میں لسانیات واُسلوبیات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔''۳۶

ہمارے ہاں لسانیات کے حوالے سے پہلے پہل شعری تجزیات کو مرکز بنایا گیا تھا لیکن اب رفتہ رفتہ نثری تخلیقات بالخصوص فکشن پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔تانیثی اُسلوبیات اور دیگر اہم علوم کے ساتھ اس کے تال میل پر غور وفکر

کرنے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ ہماری اُردو تنقید میں ہر دور میں جذب و قبول کا سلسلہ بحال رہا ہے۔ عالمی تبدیلیوں کے ساتھ ہمارا فکری ربط استوار ہونے کی وجہ سے نئے ادبی نظریات ہمارے لیے کبھی اجنبی نہیں رہے۔ اُسلوبیاتی تنقید اب ایک باضابطہ دبستان کی صورت اختیار کر چکی ہے اور پاک و ہند کی جامعات میں اسے نصاب کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے۔ ادبی تنقید میں یہ سوال بہت اہم تصور کیا جاتا ہے کہ ایک ادیب کو ہم کن صفات کی بنیاد پر دوسروں سے منفرد قرار دے سکتے ہیں، کیوں کہ بے شمار ادیب بظاہر ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں اور اُن کی مماثلت کو ختم کرنا محال ہے۔ اُسلوبیاتی تنقید نے اب یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ ایک مصنف کو لسانی اُسلوبی خصائص کی مدد سے دوسرے مصنف سے ممتاز کیا جا سکتا ہے۔ نئی لسانی تشکیلات اور نئے ہیئتی تجربات ہمیشہ نئے نئے اسالیب کو متعارف کراتے ہیں اور ان سب کا مطالعہ انفرادی سطح پر ممکن ہو چکا ہے۔ ہر تخلیق کار اپنے مشاہدات اور تجربات کی بنا پر امتیازی نشانات کا حامل ہوتا ہے اور وہ اپنی منفرد آواز کو ہجوم میں گم نہیں ہونے دیتا۔ اس کے باطن میں یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ وہ بہ ہر صورت دوسروں سے ممتاز نظر آئے یہی تخلیقی ضرورت اُسے منفرد شناخت دیتی ہے۔

اُسلوبیاتی تنقید اصل میں تخلیق کار کی روح میں اتر کر اُس کی انفرادی حیثیت کو معروضی سطح پر دریافت کرتی ہے۔ اس عمل کے دوران ہیئت اور مواد کے روایتی مسائل بھی سامنے آتے ہیں جس کا فیصلہ اُسلوبیاتی تنقید کی مدد سے ہوتا چلا جاتا ہے۔ ادبی متن کو ہیئت اور مواد کی نظری بحثوں میں شامل کرنے کی روایت افلاطون، ارسطو، فلاطینوس، لانجائنس، ہوریس، سینٹ ٹامس اور کولرج جیسے نام ور مغربی مفکرین نے زندہ رکھی ہے جس نے جدید تنقید پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ادبی تنقید کے میلانات اور رجحانات پر ماضی کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ عصرِ حاضر کے تمام جدید تنقیدی نظریات میں ان کا حوالہ ناگزیر ہے۔ اُسلوبیاتی تنقید نیا ضی کی تمام ادبی اور فلسفیانہ تحریکوں سے کسبِ فیض کیا ہے۔ اُسلوبیات کی وجہ سے ادبی تنقید کو جو اعتبار اور وقار حاصل ہوا ہے اُس کی بدولت تنقید میں اب تخیل اور وجدان کی کارفرمائی ختم ہو گئی ہے اور اس کی جگہ عملی اور تجزیاتی طریقِ کار کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ اُسلوبیات نے لسانیات کی رہنمائی میں تنقید کے جو نئے میڈیم متعارف کرائے ہیں اُس نے ادبی تنقید میں سائنس جیسی قطعیت پیدا کر دی ہے۔ اُسلوبیات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اب ادبی تنقید سے وابستہ باقی تمام نظریے مثلاً ساختیات اور ردِ تشکیل کی بہتر تفہیم میں اُسلوبیات سے مدد لی جا رہی ہے۔ اُسلوبیاتی مطالعات میں لسانی اصطلاحات سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے اور اس میں زبان کی تمام سطحوں (صرفی، صوتی، لغوی، نحوی، قواعدی، معنیاتی) کو شامل کیا جاتا ہے تاکہ ادبی متن کی معیار بندی اور وصفی امتیازات کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ اُسلوبیات کا لسانی دائرہ ء عمل اتنا وسیع ہے کہ اس میں ہیئتی لسانیات اور توضیحی لسانیات کے تمام اہم مباحث از خود شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات

خاطر نشان رہنی چاہیے کہ مغرب میں اُسلوبیاتی تنقید کے کو "لسانیاتی تنقید"، "لسانیاتی اُسلوبیات" اور "ادبی لسانیات" بھی کہا جاتا ہے لیکن اُردو میں صرف "اُسلوبیاتی تنقید" کی اصطلاح رائج ہو چکی ہے البتہ کبھی کبھار اُسلوبیات کی اصطلاح بھی سننے میں آتی ہے لیکن اس کا چلن بہت ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ صرف "اُسلوبیاتی تنقید" کی اصطلاح مستحکم ہو جائے گی۔ اُردو تنقید میں "اُسلوب" کی اصطلاح کا مفہوم قدرے محدود ہے کیوں اس میں ادب پارے کی بھی محدود جہتوں کا ذکر ہوتا رہا ہے اس کے مقابلے میں "اُسلوبیاتی تنقید" کی اصطلاح جامع و مانع ہے جس میں ادب پارے کا تجزیہ وسعت آشنا ہو جاتا ہے۔ مشرق کی تنقیدی روایت میں "اُسلوب" کا استعمال محض بیان و بدیع تک محدود رہا اور کسی حد تک اس کی حیثیت بھی ایک میکانکی عمل جیسی تھی، شاید اسی لیے جدید تنقید میں اب اس کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ اُسلوبیاتی تنقید نے تو اُسلوب کے اُن روایتی مفروضات پر بھی کاری ضرب لگائی ہے جس کے مطابق یہ سمجھا جاتا ہے کہ "اسلوب انسان کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے"۔ اس طرح کے تمام مفروضات خیالی اور وجدانی ترنگ پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کو بنیاد بنا کر ہم کسی ادب پارے کے بارے میں کوئی حتمی اور علمی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ روایتی "اُسلوب" میں تشریح و تعبیر کا رواج عام ہے اس کے برعکس اُسلوبیاتی تنقید میں توضیحی طریقِ کار اپنایا جاتا ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے معروضیت کا حامل ہے اور اس میں تخیل کی مینا کاری کا عمل دخل صفر ہے۔ اُسلوبیاتی نقاد کسی متن کے محاسن اور معائب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا اور نہ وہ اقداری فیصلوں کا پابند ہوتا ہے اُس کے لیے متن موجود لسانی عناصر کی موجودگی اہم ہوتی ہے اور اُنھی کی وضاحت و صراحت ایک نقاد کا اصل وظیفہ ہوتا ہے۔ اُسلوبیاتی مطالعے کے اس خاص زاویے کے لیے "یک زمانی لسانیات" کہا جاتا ہے جس کی کلیدی اصطلاحات "توضیحی لسانیات" سے ماخوذ ہیں البتہ اس کی تجزیاتی صورت کا تعلق اطلاقی لسانیات کے ساتھ ہے۔ اگر اُسلوبیات کی تاریخ پر توجہ کی جائے تو علم ہوتا ہے کہ یہ مباحث فرانس میں فرڈی نینڈ ڈی ساسیئور کی بدولت شروع ہوئے اور پھر انگریزی تراجم کی ذریعے اُردو میں متعارف ہوئے۔ ساسیئور نے ہی زبان کے مطالعے کو تاریخی اور توضیحی حد بندی کا نام دے کر یہ بات سمجھائی کہ جس طرح زبان کا تاریخی مطالعہ اہمیت کا حامل ہے اسی طرح اس کا توضیحی مطالعہ بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ ساسیئور ان مطالعات کے لیے "Diachronic" اور "Synchronic" کی جامع اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ یہ طریقِ کار تخلیقی ادبی متن کا راست مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اُسلوبیاتی تنقید ہر قسم کی تشریحات اور دعووں سے پاک ہے۔ اُسلوبیاتی تنقید اپنے منصب کو خوب پہنچاتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ اس تنقید پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ ادبی متون کا جامع مطالعہ پیش نہیں کرتی اور صرف اُسلوب کو موضوع بنا کر دیگر پہلوؤں سے صرفِ نظر کر لیتی ہے اور متن کے فکری معاملات سے لاتعلق رہتی ہے۔ اگر ادبی تنقید کی تاریخ کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ اعتراض کچھ زیادہ

وزنی نظر نہیں آتا کیوں کہ تنقید کا کوئی بھی ڈسپلن اس حد تک خود مکتفی نہیں ہوتا کہ وہ کسی ادبی متن کے جملہ زاویوں اور پہلوؤں کا صد فی صد احاطہ کر سکے۔ ہر تنقیدی دبستان اپنی کچھ خاص حدود رکھتا ہے جس سے باہر آنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح ادبی متن کی تفہیم، تشریح اور توضیح کا معاملہ بہ ہر صورت جزوی رہتا ہے کلی نہیں ہوسکتا۔ کلاسیکی تنقید ہو یا جدید تنقید ان میں ادبی متون کا مطالعہ طے شدہ حدود کے اندر ہی ممکن ہے۔ آج تک کسی تنقید نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ کسی متن کا مجموعی جائزہ لینے کی مکلّف ہے۔ امتزاجی تنقید کے پاس بھی ایسا کوئی جامع حربہ نہیں ہے جس کو کام میں لا کر وہ ادبی متن کے ہمہ پہلوؤں کو منکشف کر سکے۔ اُسلوبیاتی تنقید بھی اسی روایت کا حصہ ہے اور اپنے مطالعات میں متن کے صرف انھی زاویوں کی توضیح کرتی ہے جس کا تعلق اُسلوب اور اُس کے لسانی متعلقات کے ساتھ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ادبی تنقید اور اُسلوبیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴

۲۔ سید عابد علی عابد، اُسلوب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۴۲، ۴۷

۳۔ سید عابد علی عابد، اُسلوب، ص ۳۸

۴۔ آل احمد سرور، نظر اور نظریے، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷، ص ۴۹

۵۔ محبّ عارفی، اسٹائل کی حقیقت، مشمولہ فنون، شمارہ ۲۲، مئی جون ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۳

۶۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۵۳۱

۷۔ ن م راشد، مقالاتِ راشد، مرتبہ شیما مجید، الحمرا، اسلام آباد، ۲۰۰۲، ص ۲۲۷

۸۔ رابعہ سرفراز، ڈاکٹر، اُسلوب کیا ہے؟ (مضمون) مشمولہ، اُسلوب نگارش، مرتبہ، ماجد مشتاق رائے، روہی بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۵، ص ۱۲، ۱۴، ۱۵

۹۔ رابعہ سرفراز، ڈاکٹر، اُسلوب کیا ہے؟ (مضمون) مشمولہ، اُسلوب نگارش، مرتبہ، ماجد مشتاق رائے، روہی بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۶

۱۰۔ ممتاز حسین، ادب اور شعور، اُردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۲۵۱

۱۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ادبی تنقید اور اُسلوبیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ص ء، ص ۱۲، ۱۳

۱۲۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،ادبی تنقید اور اُسلوبیات،ص۱۵

۱۳۔ نصیر احمد خان،ڈاکٹر،ادبی اُسلوبیات،پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۳ء،ص۸

۱۴۔ نصیر احمد خان،ڈاکٹر،ادبی اُسلوبیات،ص۱۰،۱۱

۱۵۔ مرزا خلیل احمد بیگ،تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید،شعبہ لسانیات،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،۲۰۰۵ء،ص۲۰

۱۶۔ روبینہ شاہین،اردو تنقید کا اُسلوبیاتی دبستان،اظہار سنز،لاہور،۲۰۱۲ء،ص۸۰

17. RicharHudson,InvitationtoLinguistics,BlackwellOxford,UK,1994,p1

۱۸۔ عبدالمغنی،ڈاکٹر،اُسلوبِ تنقید،عاکف بک ڈپو،دہلی،۱۹۸۹ء،ص۵

۱۹۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،تنقید کے نئے ماڈل کی جانب،مشمولہ معاصر اُردو تنقید،مرتبہ،شارب ردولوی،اُردو اکادمی،دہلی،۱۹۹۴ء،ص۲۲

۲۰۔ خورشید جہاں،ڈاکٹر، جدید اُردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات ،منشا پبلی کیشنز،ہزاری باغ،دہلی،۱۹۸۹ء

۲۱۔ ڈاکٹر رفعت اختر خاں،اُردو تنقید پر عالمی اثرات،انیس کتاب گھر،ٹونک راجستھان،۲۰۰۵ء

۲۲۔ نصیر احمد خان،ڈاکٹر،ادبی اُسلوبیات،پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۳ء،ص۱۱،۱۲

۲۳۔ قاسم یعقوب،تنقید کی شعریات،پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۴ء،ص۲۰۲

۲۴۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،ادبی تنقید اور اُسلوبیات،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۸ء،ص۱۴۰

۲۵۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،تنقید اور جدید اردو تنقید،انجمن ترقی اُردو پاکستان،کراچی،۱۹۸۹ء،ص۹۵

۲۶۔ روبینہ شاہین،اردو تنقید کا اسلوبیاتی دبستان،اظہار سنز،لاہور،۲۰۱۲ء،ص۸۲

۲۷۔ علی رفاد فتیحی ،اُسلوبیاتی تنقید،مکتبہ جامعہ،دہلی،۱۹۸۹ء،ص۶۱

۲۸۔ علی رفاد فتیحی ،اُسلوبیاتی تنقید،ص۶۶

۲۹۔ علی رفاد فتیحی ،اُسلوبیاتی تنقید،ص۶۶

۳۰۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،ادبی تنقید اور اُسلوبیات،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۸ء،ص۱۹

۳۱۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اُسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجزیے، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۹

۳۲۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اُسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجزیے، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۹

۳۳۔ طارق سعید، اُسلوب اور اُسلوبیات، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۵۴، ۳۵۵

۳۴۔ سید محمود الحسن (اقتباس) مشمولہ، اُسلوب اور اُسلوبیات، طارق سعید، نگارشات، لاہور، ص ۱۰

۳۵۔ عبدالحق، پروفیسر (اقتباس) مشمولہ، اُسلوب اور اُسلوبیات، طارق سعید، نگارشات، لاہور، ص ۱۵

۳۶۔ مرزا خلیل احمد بیگ، تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹